بسم اللہ الرحمن الرحیم
والعصر ان الانسان لفی خسر

جامعہ عثمانیہ پشاور کا ترجمان

ماہنامہ العصر

Monthly AL - ASAR Peshawar

پشاور پاکستان

مدیر مسئول
مفتی غلام الرحمن

اپریل ۱۹۹۵ء ذی القعدہ ۱۴۱۵ھ

جامعہ عثمانیہ نوتھیہ روڈ پشاور

Scanned with CamScanner

مطبوعات موتمر المصنفين

منهاج السنن

شرح

جامع السنن

للامام الترمذی

للعلامة الشیخ مولانا محمد فرید الزروبوی
المفتی والشیخ بدار العلوم الحقانیہ اکوڑہ خٹک
النقشبندی المجددی

—— ★ ——

مؤتمر المصنفین
دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور
پاکستان

جامعہ عثمانیہ پشاور کا ترجمان ماہنامہ
اپریل ۱۹۹۵ء ذی القعدہ ۱۴۱۵ھ
جلد ۱ شمارہ ۴

العصر پشاور پاکستان

مجلس ادارت
- سرپرست: شیخ الحدیث مولانا سید شیر علی شاہ پی ایچ ڈی مدینہ منورہ
- مدیر مسئول: مفتی غلام الرحمٰن
- نائب مدیر: مولانا ذاکر حسن نعمانی
- ناظم: مفتی فضلِ خالق

فہرست مضامین

۱ ایٹمی مانیٹرنگ سنٹر کے قیام کے اثرات۔ مدیر مسئول ۲
۲ مشاجرات صحابہؓ میں اسلاف کا موقف۔ مولانا قاضی عبدالکریم کلاچوی ۵
۳ عالم برزخ کے عبرت آموز واقعات۔ ڈاکٹر نور محمد نور ۸
۴ وقت کی حفاظت۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی ۱۷
۵ دارالافتاء ۲۲
۶ نیکی اور بدی کی کمیت و کیفیت۔ مولانا ذاکر حسن نعمانی ۲۵
۷ استقامت کی اہمیت و اثرات۔ حضرت مفتی غلام الرحمٰن ۳۰
۸ اخبار الجامعہ۔ مولانا ذاکر حسن نعمانی ۴۰

بدلِ اشتراک
فی پرچہ: ۶ روپے
سالانہ اندرونِ ملک: ۵۰ ″
بیرونِ ملک: ۱۰ ڈالر

رابطہ
فون دفتر: ۰۵۲۱-۲۷۳۵۶۱
گھر: ۰۵۲۲۹-۷۶۱

خط و کتابت:
ماہنامہ العصر پوسٹ بکس نمبر ۱۲۰۹
جامعہ عثمانیہ پشاور کینٹ پاکستان

ترسیلِ زر:
ماہنامہ العصر اکاؤنٹ نمبر ۷۸۸
یونائیٹڈ بینک
سنہری مسجد روڈ پشاور صدر

پبلشر: مفتی غلام الرحمٰن
طابع: منظور عام پریس پشاور
مقام اشاعت: جامعہ عثمانیہ نزد کوٹلہ محسن خان نوتھیہ روڈ پشاور صدر

امین ثاقب

مدیر مسئول

ایٹمی مانیٹرنگ سنٹر کے قیام کے اثرات

اخباری اطلاع کے مطابق پاکستان کی وزارت خارجہ کے ترجمان نے اس بات کی تصدیق
ہے۔ کہ پاکستان اور اس کے اردگرد کے ممالک میں ایٹمی دھماکوں کا پتہ چلانے کے لیے زلزلہ
پیمائی کا ایک بین الاقوامی سسٹم چکوال میں نصب کیا گیا ہے۔ ان ذرائع کے مطابق یہ ایٹمی دھ
کی نگرانی کے لیے بین الاقوامی سطح پر چلانے والے سمجھوتے۔

COMPRENSIVE TENT BAN TREAT-
(C.T.B.T) یعنی " ایٹمی دھماکوں پر پابندی کے جامع منصوبہ " کا حصہ ہے، حکومتی
ذرائع کے بیان کی رُو سے یہ مرکز پاکستانی سائنسدانوں کے کنٹرول میں ہوگا۔

سرکاری کارندوں کے علاوہ کسی محب وطن فرد نے آج تک اس کی حمایت نہیں کی، بلکہ
مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے ارباب فہم ودانش نے اس مرکز کا قیام امریکہ کے
سامنے گھٹنے ٹیکنے کا مترادف قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ معاہدہ کسی وقت امریکہ اور روس
کے درمیان ہوا تھا جب وہ ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کرتے تھے۔ تو ایٹمی دھماکوں پر نظر رکھنے
کے لیے ان کا ایسا معاہدہ ہوا۔ معلوم نہیں؟ پاکستان کو اس میدان میں چھلانگ لگانے کا موقعہ
کیسے ملا؟۔ اور کس خوش فہمی کا شکار ہو کر مسلمانوں کے سخت ترین دشمن کو خفیہ رازوں پر آگاہی کا
موقعہ فراہم کیا۔

شرعی نقطہ نظر سے یہ معاہدہ اور ایسے جاسوسی مرکز کا قیام اسلامی تعلیمات سے منافی
ہے۔ فرمان الٰہی کے مطابق یہود ونصاریٰ کو مسلمانوں کے خفیہ رازوں سے آگاہی کا موقعہ دینا اسلامی
تشخص کے منافی ہے۔ درحقیقت امریکہ کو پاکستان کی ایٹمی صلاحیت قطعاً گوارا نہیں۔ اس کو
بھارت کے ایک سو ایٹم بم نظر نہیں آتے۔ لیکن پاکستان کے مبینہ ایٹم بم پوری دنیا کے لیے

Scanned with CamScanner

خطرہ سمجھتا ہے۔ چنانچہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو ختم کرنا امریکہ کے اہم اہداف کا حصہ ہے جس کے لیے امریکہ نے مرحلہ وار پروگرام شروع کر رکھا ہے۔ اوّلین فرصت میں ایٹمی پروگرام کو کیپ کرنا (CAP) دوسرے مرحلہ میں تخفیف اور آخر کار کلی طور پر اس کو ختم کرنا شامل ہے۔

اب تک حکومت پاکستان کو سبق کا پہلا حصہ دیا گیا ہے۔ جس کا اظہار حکومت کر چکی ہے لیکن امریکہ کو پاکستان کے اس قول پر اعتماد نہیں، چنانچہ ایٹمی مانیٹرنگ سنٹر کا قیام سبق کے پہلے حصہ کا امتحان ہے۔ تاکہ تخفیف ایٹمی قوت کا دوسرا سیمسٹر جاری رکھا جائے۔ کیونکہ اس مرکز کے ذریعہ یہ معلوم ہو جائے گا۔ کہ پاکستان کے اس قول میں کتنی صداقت پائی جاتی ہے۔

لیکن ہمیں اس تلخ حقیقت کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔ کہ اس سے ہمارے قومی وقار کو کتنا دھچکہ لگے گا۔ مذہبی تشخص کتنا متاثر ہوگا؟ ممکن ہے۔ ۱۱/اپریل کو وزیراعظم کے مجوزہ دورہ امریکہ کے موقعہ پر اس کے کچھ ثمرات ہاتھ آئیں۔ خلاف توقع اعزاز و اکرام ہو۔ لیکن دفاعی اعتبار سے یہ ہماری ناقابل تلافی غلطی ہے۔ ایٹمی صلاحیت ہماری شناخت ہے۔ اسلامی دنیا میں یہ ہمارا تشخص ہے۔ اس میدان میں کسی کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ خودکشی کے مترادف ہے اگر ارباب اقتدار کا مقصد اس سے امریکہ کی خوشنودی ہو تو مسلمان ہوتے ہوئے امریکہ ہم سے کبھی خوش نہیں ہوگا۔

امریکہ ہم سے تب خوش ہوگا۔ کہ ہم ان کی لکیر کے فقیر بن کر دین و مذہب کو خیرباد کہیں بے حیائی کے میدان میں ان کے نقش قدم پر چلیں۔ امریکہ ہمیشہ کے لیے ہمیں دھوکہ دیتا رہا۔ ہاں جب کبھی اپنے مفاد کی بات آئی، تو اپنے مقصد کے حصول کے لیے سب کچھ کرنے پر آمادہ ہوا۔ روس کے مقابلہ کے لیے ہمیں استعمال کرتا رہا۔ لیکن جب سے روس شکست کھا کر مقابلہ سے آؤٹ ہوا، تو امریکہ نے اعلان کیا۔ کہ ابھی پاکستان سے ہمارے مفادات وابستہ نہیں رہے، جس کے بعد کہیں امداد بند ہوئی، کہیں دہشت گرد ممالک کی فہرست میں ہمارا شمار ہوا کیا ہم نے امریکہ کو ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں نہیں آزمایا؟ اس کے تقرب نے ہمیں ذلت رسوائی۔ تباہی اور دھوکہ دہی کے سوا اور کیا دیا؟

اس سنٹر کے قیام سے امریکہ اگر ایک طرف ہماری ایٹمی قوت کا اندازہ کرکے ہمیں سبق دلانے کے لیے سوچ رہا ہے ۔ دوسری طرف اس سے امریکہ اپنے سخت ترین دشمن چین اور ایران پر نظر رکھنے کے لیے سوچ رہا ہے ۔ شاید اس سنٹر کا قیام چین اور ایران سے ہمارے تعلقات کو متاثر کرے جس سے امریکہ کا یہ مقصد بھی پورا ہو جائے گا کہ پاکستان ہمسایہ ممالک سے کٹ کر رہ جائے ۔

ارباب اقتدار اگرچہ اس کو بھارت کی ایٹمی سرگرمیوں کے پتہ چلانے کے لیے استعمال کرنے کی خوش فہمی میں مبتلا ہیں ۔ لیکن دوسری طرف اس کی کوئی ضمانت موجود نہیں ۔ کہ اس پر امریکہ کا دسترس نہ ہو ۔ عین ممکن ہے کہ امریکہ ہماری اس دفاعی پالیسی سے مخبری کا کام لے ۔ جیسے گوادر کے حوالے سے بہت کچھ ایسے شبہات کا اظہار کیا جا رہا ہے ۔ جو مستقبل کے لیے خطرہ کی غمازی کرتا ہے ۔ بہر حال ایسے حساس مسائل میں سوچ و سمجھ سے کام لینا چاہیئے ۔ ذاتی مفاد کی جگہ قومی مفاد کو مقدم رکھنا چاہیئے ۔ ورنہ مفاد پرستی میں ہمارے لیے خسارہ کے سوا کچھ بھی نہیں ۔

٢٧/١٠/٢٠١٥ء

Scanned with CamScanner

حضرۃ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب کلاچی

مشاجرات صحابہؓ میں اسلاف کا مؤقف

یاد رکھیں کہ انسان کے خمیر میں آگ کا عنصر بھی ہے۔ جس سے غصہ پیدا ہوتا ہے اگر بے جا استعمال کیا جائے، بڑائی، تکبر، نفس کی شرارت اس کا منشاء ہو تو یہ فساد ہے اس سے امن تباہ ہوتا ہے۔ اور لوگوں میں بے چینی، پریشانی اور اضطراب بڑھتا ہے۔ اور اگر یہی جذبہ مدافعت حق کی حمایت میں استعمال ہوتا رہے تو یہ جہاد ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں، مظلوم سکھ کا سانس لیتا ہے۔ اور ملک میں امن قائم رہتا ہے۔

عام انسانوں میں بھی یہ جذبہ پایا جاتا ہے اور خواص اہل اللہ اور اولیاء اللہ میں بھی۔ بلکہ اخص الخواص یعنی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بھی۔ فرق یہی ہوتا ہے کہ عام لوگ اسے جا بے جا استعمال کرتے رہتے ہیں جس کا نتیجہ فتنہ وفساد اور پریشانی و بدامنی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اور خواص اسی جذبہ کو دفع فساد اور کفر وشرک کی شوکت کو روکنے کے لیے استعمال کرکے ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرتے ہیں اور دوسری جانب دنیا کو امن کا گہوارہ بنا کر مخلوق خدا کی دعائیں لیتے ہیں، تاریخ اسلام کے اوراق ہمارے اس دعوے پہ شاہد عدل ہیں۔

دوسری بات یہ سمجھیں کہ اس جذبہ کے صحیح استعمال میں بعض اوقات حالات سے لاعلمی اور بعض اوقات عجلت پسندی اور کسی اندازہ لگانے میں لغزش اور خطا بھی ممکن ہے۔

سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور سے صحابہ کرامؓ میں منازعات اور قتل وقتال تک جو نوبت پہنچی اس کی نوعیت بالکل یہی تھی کہ اس جذبہ کے صحیح استعمال میں اندازہ لگانے سے بعض حضرات سے لغزش ہوتی۔ منشاء جانبین کا قطعی اور یقینی

طور پر حق کی حمایت تھی۔ اس لیے دونوں جانب سے یہ جہاد تھا اور دونوں اللہ تعالےٰ کے نزدیک اجر پانے والے تھے۔ یہی اہل حق کا عقیدہ ہے۔ جس کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح ارشادات، خود فریقین کے بیانات اور اجماع امت کا فیصلہ ہے۔ سمجھنے کے لیے ایک نظیر پیش خدمت ہے۔

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ جب سیدنا حضرت کلیم اللہ موسےٰ علی نبینا وعلیہ صلواۃ والسلام توریت لینے کے لیے طور پر گئے اور پیچھے سے قوم فتنہ سامری میں پڑکر شرک میں مبتلا ہو گئی اور چونکہ یہ حادثہ حضرت ہارون علیہ السلام کی موجودگی میں ہوا تو آپؑ غضب لدین اللہ کے ماتحت حضرت ہارون علیہ السلام سے سخت ناراض ہوئے کہ آپ کی موجودگی میں ایسا فتنہ کیسے برپا ہوا۔ نہ صرف زبانی طور پر ناراضگی کا اظہار فرمایا بلکہ ان سے الجھ گئے۔ ہاتھ ڈالا اور اللہ کے ایک نبی کے سر اور داڑھی کو پکڑ کر کھینچنے لگے۔ انہوں نے فرمایا میرے بھائی دشمنوں کو (میرے پر ہاتھ ڈال کر) خوش نہ کرو۔ میں نے بہت منع کیا۔ یہ مانتے تو کیا مجھے قتل کرنے لگے تھے۔ چنانچہ آپ نے اللہ تعالےٰ سے اپنے لیے بھی اور اپنے بھائی کے لیے بھی معافی مانگی۔ خود عالم الغیب والشہادۃ کی گواہی ہے کہ انہوں نے یعنی حضرت ہارون علیہ السلام نے ان کو سمجھایا تھا لیکن وہ نہ مانے۔ لیکن موسےٰؑ کو یہ وہم ہوا کہ انہوں نے سرے سے قوم کو فہمائش ہی نہیں کی۔

اب دیکھئے یہاں تو دو نبیوں کا آپس میں الجھ پڑنے کا واقعہ خود قرآن مجید نے بیان فرما دیا ہے۔ مگر یہاں تو مسئلہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کا آپس میں غلط فہمی میں آکر الجھ پڑنے کا ہے۔ جس کے کرنے سے وہاں کسی نبی کے حق میں بدگمانی اور بے ادبی کرنا بے ایمانی کا باعث ہے تو یہاں بھی عین ممکن ہے کہ دونوں کے جذبات خالص دینی ہوں۔ حق کی حمایت ہو اور دونوں میں سے کوئی ایک بھی

اللہ تعالےٰ کے نزدیک باعث ملامت نہ ہو۔ اور ہم کو کسی کے شان میں بے ادبی کرنے کی اجازت نہ ہو۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوبات شریف جلد ثانی میں تفصیل سے اس پر بحث فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (جو اپنی صدی کے مجدد مانے جاتے ہیں) نے فرمایا ہے کہ جب اس قتل و خون سے اللہ نے ہماری تلواروں کو بچایا ہے یعنی ہم اس زمانہ میں پیدا ہی نہ ہوئے تو ہم کو چاہیئے کہ ان واقعات سے اپنی زبانیں بھی محفوظ رکھیں۔ اور یہ اس لیے کہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میرے صحابہ رضی کے اختلافات) کا ذکر ہو تو تم خاموش ہی رہو۔

آگے فرمایا کہ اگر ضرورۃً کچھ کہنا بھی ہو (بطور بیان واقعہ کے) تو اتنا کہنے کی گنجائش ہے کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے اجتہاد میں مصیب تھے (یعنی حق کو سمجھنے والے) اور ان کے مخالف اپنے اجتہاد میں مخطی (خطا کرنے والے) مگر یہ خطا چونکہ اجتہادی تھی (یعنی واقعہ میں کوئی نص موجود نہ تھی اور مسئلہ میں اختلاف کی گنجائش تھی اور دونوں فریق درجہ اجتہاد پر فائز تھے۔ مجتہد تھے۔ اور مجتہد کو اپنے ہی اجتہاد پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے) اس لیے وہ عنداللہ قابلِ ملامت نہیں اور نہ ہم کو ان پر طعن و تشنیع کرنا جائز ہے۔

پھر فرمایا خود حضرت امیر سیدنا حضرت علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ یہ ہمارے بھائی ہیں۔ ہمارے خلاف ہوگئے ہیں۔ ہمارے مقابلہ پر نکل آئے ہیں۔ نہ کافر ہیں اور نہ ہی فاسق۔

بقیہ ص ۲۹

ڈاکٹر نور محمد نور۔ ایم ڈی۔ ایف سی پی ایس
پروفیسر آف میڈیسن نشتر میڈیکل کالج ملتان

عالم برزخ کے عبرت آموز واقعات

میرے ایک دوست میاں چنوں میں رہتے ہیں۔ ان کے محلے کی مسجد میں ایک امام مسجد جس کو مرے ہوئے تقریباً ساٹھ سال ہو گئے دفن ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا رات کے وقت بارش ہوئی۔ جب صبح کے وقت نمازی مسجد میں آئے تو بارش کا پانی ساری مسجد میں اکٹھا تھا اور امام مرحوم کی قبر پانی سے گر چکی تھی اور پانی سے بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ نمازیوں نے قبر کو دوبارہ بنانے کا فیصلہ کیا۔ قبر سے پانی نکالا گیا اور امام صاحب کی میّت کو جو بالکل ترو تازہ تھی چارپائی پر لٹا دیا گیا۔ اُس کی داڑھی کے بال ویسے ہی محفوظ تھے۔ ہاتھوں کو ہلایا گیا تو بالکل زندہ آدمیوں کی طرح تھے۔ اسی طرح ٹانگوں کو بالکل ٹھیک پایا۔ ایک اونچی جگہ پر قبر بنا کر امام صاحب کو زمین کے حوالے کر دیا گیا۔

عذاب قبر کا اثر

بھائی مسعود صاحب نے میاں چنوں سے بتایا کہ ایک دن وہ بس میں سفر کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک ٹانگ والا مسافر بیٹھا تھا۔ دورانِ سفر سلام دعا کے بعد بات چل نکلی۔ مسعود صاحب نے ایک ٹانگ کٹنے کا ماجرہ پوچھا تو اُس مسافر نے بتایا کہ اُس کا گھر ایک بستی میں ہے اور گھر جانے کے لیے پہلے قبرستان سے گزر کر جانا پڑتا ہے۔ ایک دن جب کہ وہ قبرستان سے گزر رہا تھا تو اُس نے قبر سے چیخنے کی آواز سنی۔ جب وہ پرانی قبر کی طرف گیا تو اُس میں بڑا سوراخ تھا۔ اور ایک سانپ میت کے منہ پر بیٹھا ڈس رہا تھا۔ یہ ماجرہ دیکھ کر اُس سے برداشت نہ ہوا۔ ایک لمبی لکڑی لے کر اُس سانپ کو بھگانے کی کوشش کی۔ سانپ وہاں سے غائب ہو گیا اور ایک دوسرے سوراخ سے نکل کر اُس کی طرف لپکا۔ یہ اپنی جان بچانے کیلئے

بھاگا اور ایک پانی کے جوہڑ میں چلا گیا۔ سانپ بھی پانی میں داخل ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں اُس نے اپنی ٹانگ میں درد محسوس کیا۔ جب پانی سے باہر نکلا تو ایک ٹانگ کا رنگ بدل چکا تھا جو کہ کئی دنوں بعد کٹوانی پڑی کیونکہ وہ مردہ ہو چکی تھی۔

قبر کی آگ کا مشاہدہ

یہ ۱۹۵۲ء کا واقعہ ہے۔ میں ایم۔ بی بی۔ ایس کے دوسرے سال میں تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ ہمیں تشریح البدن (اناٹومی) کا مضمون پڑھنے کے لیے انسانی ہڈیوں کی ضرورت پڑتی تھی، کالج ابھی نیا نیا بنا تھا اور انسانی ہڈیوں کا ذخیرہ بہت محدود تھا۔ چنانچہ میرے چند دوستوں نے نشتر میڈیکل کالج کے ساتھ والے قبرستان جو اُن دنوں قلعہ والا قبرستان کہلاتا تھا کی طرف رجوع کیا۔ قبرستان کے مجاور سے جا کر بات کی، کچھ پس و پیش کے بعد وہ بائیس روپے میں پورا انسانی ڈھانچہ فراہم کرنے پر رضامند ہو گیا۔ لڑکے رات کو ایک بوری اور بائیس روپے مجاور کو دے آتے اور اگلے روز اُن کو پورا انسانی ڈھانچہ مل جاتا۔ مجاور کا یہ کاروبار چلتا رہا۔

کچھ عرصے کے بعد مجھے انسانی کھوپڑی کی ضرورت پیش آئی۔ میں قبرستان گیا اور مجاور سے ملا۔ وہ اس وقت مسجد میں بیٹھا تھا۔ میرے اصرار کے باوجود اس نے انسانی ہڈیاں فراہم کرنے سے صاف انکار کر دیا، جب میں نے اصرار کے ساتھ وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ چند دن قبل جب اُس نے ایک قبر کھولی تو قبر میں سے آگ کا ایک شعلہ نکلا جس نے اس کا پیچھا کیا۔ مجاور نے مزید بتایا کہ وہ پوری تیزی سے جان بچانے کے لیے بھاگا، مگر آگ نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا۔ جب وہ بھاگتے بھاگتے مسجد میں داخل ہو گیا تو وہ آگ واپس چلی گئی۔ اُس نے بتایا کہ اب اس نے پکی توبہ کر لی ہے کہ کبھی قبروں کی توہین نہیں کرے گا۔

میں نے اس سے پوچھا کہ کوئی اور واقعہ جو اسے پیش آیا ہو سنائیے تو اس نے بتایا کہ پیسے کے لالچ میں جب اس نے ایک قبر کو کھولا تو اس کو بے حد وسیع پایا۔ قبر خوشبو سے مہک رہی تھی اور ایک بزرگ بیٹھے تلاوت کر رہے تھے یہ دیکھ کر اس نے قبر کو فوراً بند کر دیا۔

کافی عرصہ قبل جب میں نشتر ہسپتال میں میڈیکل وارڈ کا رجسٹرار تھا تو میرے وارڈ میں دو مزدور بے ہوشی کی حالت میں داخل ہوئے۔ ہوش میں آنے کے بعد وحشت زدہ ہوکر پھر چیخنا چلانا شروع کردیا۔ علاج کے بعد جب ان کی حالت کچھ سنبھلی تو انہوں نے بتایا کہ ملتان کے ایک مشہور و معروف آدمی کی قبر کو اس لیے کھودا جارہا تھا کہ ان کی نعش کو خاص جگہ پر منتقل کیا جائے۔ جب قبر کھولی گئی تو مردہ کی شکل کو دیکھ کر وہ اتنے خوفزدہ ہوئے کہ بیہوشی طاری ہوگئی۔ اس مردے کے لواحقین نے جب مردے کی یہ حالت دیکھی تو جلدی سے قبر کو بند کردیا۔ اس واقعہ کا تذکرہ وقت کے اخبارات میں بھی چھپا۔

احمد پور شرقیہ میں ایک نیک خاتون دینی مدرسہ کی مہتمم تھی۔ اس کو ایک لاعلاج مرض لاحق ہوگیا۔ میرے پاس بہاول پور وکٹوریہ ہسپتال میں داخل ہوئی اور وہیں وفات پائی۔ اُن کے علاج پر اُٹھنے والے اخراجات کراچی سے ایک حاجی صاحب (جو ہمارے ایک پروفیسر صاحب کے سسر ہیں) بھیجا کرتے تھے۔ جب یہ نیک خاتون فوت ہوگئیں تو حاجی صاحب کو کراچی میں اطلاع دی گئی۔ وہ تشریف لائے اور سیدھے اس بی بی کی قبر پر گئے واپس آکر سب سے پہلے مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ نے بی بی پر قبر میں اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائیں ہیں۔

اگلے روز حاجی صاحب پھر قبرستان تشریف لے گئے جب واپس لوٹے تو بے حد غمگین تھے۔ آتے ہی رونا شروع کردیا۔ کھانا پینا بند کردیا مگر نماز کی پابندی جاری رہی ہر وقت استغفار میں مشغول رہتے۔ تین دن کھانا پینا بند کرنے کی وجہ سے بہت کمزور ہوگئے تو ڈاکٹر صاحب جو اُن کے داماد تھے مجھے لے گئے۔ میں جب وہاں پہنچا تو دیکھا کہ حاجی صاحب سجدہ میں پڑے ہوئے آہستہ آہستہ اللہ سے استغفار اور آہ و زاری کررہے ہیں۔ آواز میں اتنا درد اور سوز تھا کہ پاس بیٹھنے والے پر بھی گریہ طاری ہوجاتا تھا۔ میں نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ میرے بار بار کے اصرار پر انہوں نے بتایا کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کشف قبور کا وظیفہ بتایا تھا وہ انہوں نے پہلے روز اُس بی بی کی قبر پر کیا تو نہایت اچھی خبر ملی۔ دوسرے روز ساتھ والی قبروں پر وہی وظیفہ پڑھا تو دیکھا کہ سب قبریں آگ سے بھری ہوئی ہیں اور مردے آگ میں تڑپ رہے ہیں۔ کسی قبر میں آگ

Scanned with CamScanner

کم ہے کسی میں زیادہ۔ حتیٰ کہ پورے قبرستان میں صرف تین قبریں اس آگ سے محفوظ تھیں حاجی صاحب نے فرمایا کہ یہ منظر دیکھ کر روؤں نہ تو اور کیا کروں۔ اللہ سے ان کے لیے تخفیفِ عذاب کی دُعا مانگ رہا ہوں۔ ایسا دردناک عذاب ہے کہ اگر آپ دیکھ لیں تو ذہنی توازن کھو بیٹھیں یا دہشت سے مر جائیں پھر حاجی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی سنایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ عذابِ قبر اس قدر دردناک ہے کہ اگر انسان اس کو دیکھ یا آواز سُن لیں تو پاگل ہو کر جنگلوں میں بھاگ جائیں اور اپنے مُردے دفن کرنا بند کر دیں۔

میں نے حاجی صاحب سے پوچھا کہ قبریں آگ سے کیوں بھری ہوتی ہیں تو انہوں نے بتایا کہ ایک تو نماز چھوڑنے کی وجہ سے دوسرے استنجا سے بے توجہی کرنے کی وجہ سے

اس دردناک نظارہ کی وجہ سے حاجی صاحب اکثر رویا کرتے تھے اور اسی حال میں اُن کا انتقال ہو گیا۔

اعمال سانپ کی صورت میں

سرگودھا شہر کا واقعہ ہے۔ ایک محلے میں جماعت ٹھہری ہوئی تھی۔ جماعت کے کچھ ساتھی محلے میں گشت کے لیے نکلے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک مکان سے بہت سارے مرد اور عورتیں خوفزدہ ہو کر جلدی سے نکل رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہاں ایک آدمی فوت ہو گیا تھا۔ اور اس کے تمام رشتہ دار اکٹھے تھے ابھی مُردہ کو نہلانے کی تیاری ہو رہی تھی کہ ایک بہت بڑا سانپ کہیں سے آیا اور اُس نے میّت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جس کی وجہ سے میّت کے رشتہ دار گھر سے باہر بھاگ گئے۔ جماعت کے ساتھی مکان کے اندر گئے تو واقعی ایسا ہی پایا۔ جماعت والوں نے میّت کے لواحقین کو بتایا کہ یہ سانپ نہیں بلکہ اعمال کا وبال ہے اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی ایک ہی صورت ہے کہ خوب گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی جائے اور میّت کے لیے استغفار کی جائے۔ میّت کے رشتہ دار اتنے خوفزدہ تھے کہ انہوں نے قریب جانے سے انکار کر دیا۔ جماعت والوں نے دُعا استغفار اور ذکر اذکار کا اہتمام کیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ سانپ غائب ہو گیا۔ چنانچہ میّت کو نہلایا اور کفن پہنایا گیا۔

جب میت کو دفن کرنے کے لیے قبر کے پاس لے جا کر رکھا تو دیکھا کہ ایک بڑا سانپ قبر میں بھی موجود ہے جو کہ قبر کھودنے کے وقت وہاں نہیں تھا۔ بڑی مشکل سے میت کو قبر میں اتارا گیا۔ جونہی میت کو قبر کے حوالے کیا سانپ پھر میت کے گرد لپٹ گیا۔ چنانچہ وہ لوگ جلدی سے قبر کو بند کر کے واپس آ گئے۔

قبر میں خوشبو

چند برس پہلے کی بات ہے راجن پور کے قبرستان میں ایک مردے کو دفن کرنے کے لیے ایک قبر تیار کی گئی۔ ابھی تک لوگ مردے کو لے کر پہنچے نہیں تھے کہ پورے قبرستان میں عجیب فرحت انگیز خوشبو مہک رہی تھی۔ لوگ حیران ہوئے کہ یہ خوشبو کہاں سے آ رہی ہے جبکہ قبرستان میں صرف ون وجال کے درخت اور چند جنگلی پودے تھے جو کہ خوشبو نہیں دے سکتے تھے۔ تلاش کرنے پر معلوم ہوا کہ خوشبو کا منبع نئی تیار کی گئی قبر کی تہہ میں موجود ایک سوراخ ہے۔ لوگوں نے جب اس سوراخ کو بڑا کیا تو نیچے سے ایک اور قبر نکلی جس میں ایک سفید ریش بزرگ ہمیشہ کی نیند سو رہے تھے۔ قابل حیرت بات یہ تھی کہ ان کی نعش کے اوپر ایک بڑا پھول پڑا ہوا تھا۔ اور خوشبو دے رہا تھا۔ تمام شہر کے لوگوں نے یہ منظر دیکھا۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ لاہور میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔ دفن کے بعد ان کی قبر سے خوشبو آنا شروع ہو گئی۔ عقیدت مندوں نے قبر کی مٹی جس سے خوشبو آ رہی تھی اٹھانا شروع کر دی۔ بتانے والے بتاتے ہیں کہ قبر کے ارد گرد گڑھے پڑنے شروع ہو گئے جن کو باہر سے مٹی لا کر بھر دیا جاتا اور اس مٹی سے بھی خوشبو آنا شروع ہو جاتی۔ یہ سلسلہ چالیس روز تک جاری رہا۔ میں ان دنوں سعودی عرب میں بطور فزیشن کام کر رہا تھا۔ وہاں پر مجھے حضرت لاہوریؒ صاحب کے ایک مرید نے ان کی قبر کی مٹی دکھائی جس میں اس وقت تک خوشبو آ رہی تھی۔

میت کے منہ پر سانپ ڈس رہا تھا

جب منگلا ڈیم پاکستان میں تعمیر ہو رہا تھا اور بند باندھا جا رہا تھا اور مٹی ادھر سے ادھر اکٹھی کی جا رہی تھی تو اس کام کے دوران بلڈوزر نے ایک قبر کو کھول دیا۔ اس

قبر میں ایک مردہ لیٹا ہوا تھا اور اس کے منہ کے اوپر ایک سانپ بیٹھا ہوا وقفہ وقفہ سے ڈس رہا تھا۔

یہ نظارہ وہاں کے تمام لوگوں نے دیکھا چنانچہ کچھ اللہ والوں نے ذکر اذکار شروع کر دیا اور اس مردے کے تخفیف عذاب کے لیے درود شریف اور قرآن شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد یہ سانپ کہیں غائب ہو گیا۔

یہ واقعہ وہاں کے ایک انجینئر نے بتایا جو ان دنوں بند کے بنانے پر مامور تھا۔

قبر کیڑوں اور بچھوؤں سے بھری ہوئی تھی

آج سے قریباً بیس سال قبل قبر کشائی کے لیے میں ایک میڈیکل افسر کے ساتھ گیا۔ یہ قبر کوٹ مٹھن کے قصبے کے باہر ایک قبرستان میں واقع تھی اور قبر والے کو مرے ہوئے پانچ دن گذرے تھے۔ جب قبر کھولی گئی تو میں وہاں موجود تھا۔ قبر۔ کالی چمکدار موٹی مکھیوں اور موٹے کیڑوں سے بھری ہوئی تھی اور قبر کی تہہ پر سانپ، اور بچھو نظر آ رہے تھے۔

نظارہ اتنا ڈراؤنا تھا کہ وہاں سے سب لوگ بھاگ گئے۔ حتیٰ کہ سرکاری افسران جو ہمارے ساتھ تھے وہ اس نظارے کی تاب نہ لا سکے۔ سب سے بڑا مسئلہ مردہ کو نکال کر اس کی چیر پھاڑ کرنا تھا۔ مردے کو نکالنے کے لیے بڑے جتن کیے گئے۔ بڑی مشکل سے دو مزدور پولیس کے ڈر سے رسیوں کے ذریعہ مردے کو باہر نکال کر لائے۔

کیڑوں کے انبار اور مکھیوں کے جھنڈ دیکھ کر ایک مزدور بے ہوش ہو گیا اور شام تک مر گیا جب مجھے یہ منظر یاد آتا ہے تو پسینہ آ جاتا ہے اور سوچتا ہوں کہ میرے ساتھ قبر میں کیا سلوک ہو گا۔ اگر مرنے سے پہلے قبر کی تیاری کر لی تو اچھا سلوک ممکن ہے ورنہ ہمیشہ کے لیے ناکامی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں مرنے سے پہلے مرنے کی تیاری کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قبر سے بدبو اور سانپ نکلا

میرے ایک دوست ڈاکٹر قانون طلب (فارنزک میڈیسن) سے منسلک ہیں اور قبر کشائی کے لیے ان کو سرکار کی طرف سے اکثر جانا پڑتا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ایک جگہ قبر کشائی کی۔ مردے کو بطورِ امانت رکھا گیا تھا کیونکہ اس کو خاص جگہ منتقل کرنا تھا۔

جب قبر کھودی گئی تو اس قدر سخت بدبو نکلی کہ مردے کے تمام رشتے دار بھاگ گئے اور قبر سے ایک عجیب قسم کا سانپ نکلا جو دنیا میں نہیں دیکھا جاتا۔

پورا دن انتظار کرنے کے باوجود بدبو کم نہ ہوئی تو تنگ آ کر ایسی حالت میں مردے کا معائنہ کیا گیا۔ یہ منظر بھی بہت پریشان کن تھا اور جو لوگ وہاں موجود تھے سب پریشان تھے

یہ واقعات اس لیے لکھے گئے ہیں کہ ہم قبر کی تیاری میں لگ جائیں پتہ نہیں کب بلاوا آ جائے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اعمالِ صالح کی توفیق عطا فرماتے اور قبر و حشر کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ یہ چند روزہ فانی زندگی ہر صورت میں گزر جاتی ہے اصل فکر آخرت کی ہونا چاہیئے کہ اصل اور دائمی زندگی ہی آخرت میں ملنے والی زندگی ہے۔

عذاب قبر کی وجہ سے مردے کی چیخ و پکار

چند سال قبل ایک جماعت کے ساتھ ایبٹ آباد جانا ہوا شہر کے قریب ایک بستی کی مسجد میں قیام کیا۔ مسجد کے ساتھ ہی قبرستان تھا۔ پروگرام کے مطابق ہم لوگوں نے گشت کر کے مقامی لوگوں کو مسجد میں اکٹھا کیا اور قبر و حشر کی بات شروع کی۔ بات سنتے ہی مقامی لوگوں نے بلند آواز میں رونا شروع کر دیا۔ ہم لوگ پریشان ہو گئے کہ اتنا اثر تو آج تک کسی نے بھی نہیں لیا اور نہ ہی ہمارے اوپر ہوا ہے۔ ہمارے استفسار پر ایک مقامی ساتھی نے بتایا کہ اصل میں اس بستی والے عذاب قبر کا نمونہ دیکھ چکے ہیں۔ پھر اس نے ایک قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ یہ ایک عورت کی قبر ہے جس کو مرے ہوئے قریباً ساٹھ سال بیت چکے ہیں۔ ایک روز صبح کی نماز کے بعد قبرستان سے چیخنے چلانے کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں۔ تلاش اور جستجو کے بعد معلوم ہوا کہ یہ آوازیں اسی قبر کے اندر سے آ رہی ہیں۔ قبر بہت پرانی اور پختہ تھی جوں جوں دن

پڑھتا گیا آوازیں بلند ہوتی گئیں، بستی والوں پر عجیب دہشت سی طاری ہو گئی عورتوں اور بچوں نے بھی رونا شروع کر دیا۔ چنانچہ ایک عالم دین کو بلایا گیا تو انہوں نے بتایا کہ قبر کے اندر عورت کو عذاب ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا نمونہ آپ سب بستی والوں کو آخرت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے دکھایا ہے کہ اس دنیا میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مان کر چلو گے تو اس بڑے حادثے سے بچ جاؤ گے۔ چنانچہ سب لوگوں نے ذکر اذکار استغفار درود شریف اور قرآن مجید پڑھ کر مرحومہ کی روح کو ایصالِ ثواب پہنچایا اور عصر کی نماز کے وقت وہ خوفناک چیخ و پکار بند ہو گئی۔

ہم لوگ جب بھی قبر اور آخرت کی بات کرتے تو بستی والوں پر گریہ طاری ہو جاتا۔

عذابِ قبر ایک حقیقت ہے

چند سال قبل ایک جماعت کے ساتھ جانا ہوا، مانسہرہ سے آگے ایک چھوٹے سے قصبے میں پہنچے۔ مسجد میں سامان رکھا اور تعلیم شروع کی، مسجد سے باہر ادھر اُدھر کافی لوگ فارغ بیٹھے تھے، ہم لوگ اُن کے پاس گئے اور مسجد میں آنے کی دعوت دی تاکہ وہ تعلیم میں شریک ہو سکیں۔ کچھ لوگ ہمارے ساتھ مسجد آنے پر تیار ہو گئے ایک صاحب نے کہا کہ میں نماز کے وقت آؤں گا اور نماز کے بعد عذابِ قبر کا ایک واقعہ آپ لوگوں کو سناؤں گا۔ چنانچہ ظہر کی نماز کے بعد یہ صاحب ہمارے پاس بیٹھ گئے اپنا تعارف کروایا کہ وہ ریٹائرڈ فوجی جوان ہے۔ ۱۹۶۵ء کی پاک و ہند جنگ میں ایک قبرستان میں اسلحے کا ایک عارضی ذخیرہ بنایا گیا تھا اور کچھ اور نوجوانوں کے ساتھ اس کی بھی وہاں پہرے پر ڈیوٹی تھی۔ دن کا وقت تھا اور کوئی خاص کام نہیں تھا چنانچہ اس نے قبرستان میں گھومنا شروع کر دیا۔ ایک پرانی قبر کے پاس گزر ہوا تو یوں محسوس ہوا جیسے قبر کے اندر سے ہڈیاں ٹوٹنے کی آواز آ رہی ہو۔ اس فوجی جوان نے بتایا کہ میں نے بندوق کے بٹ کے ساتھ قبر کی اینٹیں ہٹائیں تاکہ دیکھوں کہ یہ آواز کیسی ہے، جیسے جیسے میں مٹی ہٹاتا گیا آواز اور تیز ہوتی گئی اور میری دلچسپی اور خوف بھی بڑھتا گیا۔ دن کا وقت تھا روشنی خوب پھیلی ہوئی تھی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ قبر کے اندر انسانی ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا ہوا ہے اور اس پر چوہے

کی شکل کا ایک جانور بیٹھا ہوا ہے اور جب وہ اپنا منہ اس ڈھانچے پر مارتا ہے۔ تو سارا ڈھانچہ اکڑ جاتا ہے اور ہڈیوں کے ٹوٹنے اور چٹخنے کی آواز آتی ہے۔ میرے سامنے تین مرتبہ اس جانور نے اپنا منہ ہڈی پر مارا۔ مجھے بہت ترس آیا کہ یہ جانور مردے کو تکلیف پہنچا رہا ہے چنانچہ رائفل سے جب میں نے اس جانور کو مارنے کا ارادہ کیا تو وہ مٹی میں چھپ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ جانور قبر سے نکل کر میری طرف لپکا۔ میرے اوپر کچھ ایسی دہشت سوار ہوئی کہ میں اُسے مارنا بھول کر بھاگ کھڑا ہوا۔ کافی دُور جانے کے بعد میں نے مڑ کر دیکھا تو وہ جانور میرے پیچھے تیزی سے بھاگا آ رہا تھا۔ قریب ہی پانی کا ایک جوہڑ تھا اس جانور سے بچنے کے لیے میں اس جوہڑ میں داخل ہو گیا میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا کہ وہ جانور جوہڑ کے کنارے پر آ کر رُک گیا اور قدرے توقف کے بعد اس نے اپنا منہ پانی میں ڈال دیا۔ یکایک پانی کھولنے لگا۔ میں بھاگ کر جوہڑ سے باہر نکلا۔ میری ٹانگیں جل رہی تھیں، جلد سُرخ ہو چکی تھی اور آبلے بھی پڑ چکے تھے درد کی شدت سے میرا چلنا محال تھا۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو آواز دی۔ چنانچہ مجھے ایبٹ آباد کے ہسپتال میں داخل کروایا گیا اور پھر وہاں سے راولپنڈی کے بڑے فوجی ہسپتال (C.M.H) میں منتقل کر دیا گیا۔ میری ٹانگوں کا گوشت گلنا شروع ہو گیا اور ہر وقت بدبودار پیپ اور خون رِستا رہتا تھا کسی علاج سے افاقہ نہ ہوا تو مجھے علاج کے لیے امریکہ بھجوایا گیا مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اس وقت دونوں ٹانگوں کی صرف ہڈیاں بچ گئی ہیں گوشت آہستہ آہستہ گل کر علیحدہ ہوتا جا رہا ہے اور ہر وقت مُردے کی سی بدبو آتی رہتی ہے۔ پھر اس نے ہمیں اپنی دونوں ٹانگیں دکھائیں جن پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

Scanned with CamScanner

وقت کی حفاظت

"وقت" مال ہی کی طرح "پونجی" ہے اس لیے دونوں میں "میانہ روی" اور "تدبیر استعمال" ضروری بات ہے، اور مال کو تو "جمع" اور "ذخیرہ" بھی کر سکتے ہیں لیکن "وقت" اور "زمانہ" کے لیے یہ بھی ممکن نہیں۔

زمانہ اور وقت کی قدر و قیمت کسی طرح بیش قیمت مال سے کم نہیں ہے، دونوں کی قدر و قیمت کا مدار اُس کا برمحل خرچ، اور اچھے استعمال پر موقوف ہے، پس وہ بخیل جو اپنے مال کو "قوت لایموت" سے زیادہ خرچ نہیں کرتا اور اصل "فقیر" ہے یا اُس جیسا ہے جس کے پاس "کھوٹی پونجی" ہو، اسی طرح جو شخص اپنے وقت کو اپنی اور اپنی جماعت کی سعادت و بہبود میں خرچ نہ کرے اُس کی عمر بھی ایک "کھوٹی پونجی" ہے۔

بلاشبہ ہم ایک محدود زندگی رکھتے ہیں، لیل و نہار کا یہ چکّر ایک خاص نظم سے جاری ہے اور ایک کا دوسرے سے ٹکرا جانا ناممکن ہے، پھر زندگی بھی چند حصّوں پر تقسیم ہے "بچپن، جوانی ادھیڑ، بڑھاپا" اور ہر حصّہ اپنا خاص عمل رکھتا ہے جو دوسرے حصّہ میں غیر مناسب ہے، جیسا کہ بے وقت زراعت نہیں ہوسکتی، یا غیر وقت میں نامناسب ہے اور پھر زندگی چند روزہ ہے اور جب موت کا وقت آجاتے گا تو پھر اُس سے مفر کہاں؟ اور گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں، بچپن گیا تو اب کہاں؟ جوانی ختم ہوگئی تو یہ بہار گئی۔

پس جب کہ یہ "محدود" شئے ہے اور اُس میں کمی زیادتی ممکن نہیں، اور اُس کی قدر و قیمت حسنِ استعمال پر موقوف، تو ازبس ضروری ہے کہ ہم اس کی پوری طرح حفاظت کریں، اور اُس کو بہتر سے بہتر طریقہ پر استعمال کریں۔

Scanned with CamScanner

ضیاع وقت کے اسباب

"وقت" کی حفاظت اور اُس سے نفع کی صورت ایک طریقہ کے سوا اور کسی طرح ممکن نہیں۔ اور وہ یہ کہ زندگی کا مقصد وحید صرف "پسندیدہ اخلاق" ہوں اور پھر اُس کے لیے زندگی کے تمام "وقت" کو صرف کر دیا جاتے۔ اس لیے کہ انسان کے ضیاع وقت کے دو اسباب ہوتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ انسان کی کوئی غرض وغایت نہ ہو جس کے لیے وہ سعی کرے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے۔

میں اس بات کو بہت معیوب سمجھتا ہوں کہ تم میں سے کوئی لایعنی زندگی بسر کرے نہ دنیا کے لیے کوئی عمل کرے نہ آخرت کے لیے۔

لہٰذا اُس پڑھنے والے کا وقت کس قدر ضائع ہے جو ہاتھ میں تو کتاب لیے ہوتا ہے اور اُس کے سامنے کوئی معیّن غرض نہیں ہے، مثلاً کوئی "خاص موضوع" یا کسی خاص مسئلہ کی تحقیق اور اُس آدمی کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے جو چل رہا ہے اور نہیں جانتا کہ اُس کے سفر کی غرض و غایت کیا ہے؟ کبھی ایک سڑک سے دوسری سڑک پر چل نکلا اور کبھی ایک دکان سے دوسری دکان کی طرف رُخ کر دیا۔

اور اگر انسان کے سامنے غایت وغرض متعیّن ہوتی ہے تو وہ تھوڑے سے وقت میں زیادہ سے زیادہ کام کر لیتا ہے، اور انسان کو سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔

اور اگر اُس کے سامنے متعدد امور ایک دوسرے کے مقابل آجائیں تو سوچ کر اُن کا انتخاب کر لینا چاہیئے جو اُس کی "غرض" کے لیے مفید ہوں، اور جو اُس سے جوڑ نہ کھاتے ہوں اُن سے بچنا چاہیئے۔

اور جو لوگ اپنی غرض کو متعیّن نہیں کرتے تو اُن پر "وقت" اس طرح گذر جاتا ہے جس طرح "اینٹ پتھر" پر اور ایسے اشخاص سے کوئی بہتر کام یا عظیم الشان کام شاید ہی انجام پاتا ہو۔ بے مقصد انسان کی مثال اُس کشتی کی سی ہے جو بغیر کسی سبب کے موجوں میں تھپیڑے کھاتی پھرتی ہے۔

اور یہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو کثیر الاشغال ہوتے ہیں اُن کے وقت میں بھی وسعت د

Scanned with CamScanner

برکت ہوتی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے سامنے مقصد ہوتا ہے اور وہ اپنے وقت کو تردد و انتشار میں نہیں گذارتے، اور وہ محل اور موقع کے ہاتھوں میں گیند کی طرح نہیں ہوتے کہ جس طرح وہ چاہیں اُن کے ساتھ کھیلیں بلکہ وہ اپنے لیے خود اسباب و مواقع پیدا کرتے، اور اپنی زندگی کی اغراض کے مطابق اُن میں جس طرح چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں

۲۔ انسان کے ضیاعِ وقت کی دوسری شکل یہ ہے کہ اُس کے سامنے غرض و غایت تو معیّن ہے لیکن وہ اس مقصد کے حق میں مخلص اور سچا نہیں ہے، اس لیے نہ اس تک پہنچنے کے لیے ٹھیک جد و جہد کرتا ہے اور نہ ایسے کام کو انجام دیتا ہے جو اُس کے مقصد کے مطابق ہوں۔

غرض کا متعیّن نہ ہونا اور مقصد کے حق میں مخلص نہ ہونا، یہی وہ دو چور ہیں جو وقت کی چوری کرتے، اور اُس کے فائدہ کو برباد کرتے ہیں۔

اور ان دونوں دشمنوں کے وجود سے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ فرضِ منصبی میں تاخیر اور عمل کے لیے جو محدود وقت ہے اُس کی حفاظت سے بے پرواہی،، اور پیہم جد و جہد سے بیزاری ہیں، پس ابتداء معیّن سے چند منٹ کی تاخیر کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ عمل کے وقت میں سے اُس قدر منٹ ضائع کر دیئے گئے۔

اور اُس کے دو نتیجے ظاہر ہوں گے۔ یا تو کام میں جلد بازی کرنا پڑے گی، اور سوچ بچار کو چھوڑنا پڑے گا تاکہ ضائع شدہ وقت کی تلافی ہو سکے اور یا پھر اُن اوقات پر جو کہ دوسرے فرائض کے لیے مقرر ہیں،، دست درازی کرنی ہوگی۔ اور اس ضمن میں کسی کام کو اُس کے اپنے وقت سے ٹال کر کرنا بھی آجاتا ہے، پس ٹالا ہوا کام اوّل تو ہوتا ہی نہیں، اور اگر ہوتا بھی ہے تو اُس عمدگی اور استواری کے ساتھ نہیں ہوتا جس طرح کہ اپنے وقت کے اندر ہو سکتا تھا۔

وقت کا مشغول رہنے کی حقیقت

وقت کی حفاظت کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ انسان مسلسل کام میں ہی مصروف رہے اور کسی وقت آرام نہ حاصل کرے، بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ راحت و فراغت کے وقت کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ وہ عملی جد و جہد کے لیے زیادہ قوی اور تر و تازہ بنا دے۔ پس اگر راحت و فراغت

سے وقت کو سستی اور کاہلی میں صرف کر دیا جائے تو اس طرح ہم اُس وقت سے نہ کوئی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور نہ عمل میں ہم کو اس سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے، اس کے برعکس اگر اس وقت کو تفریح اور ورزشی دوڑ دھوپ یا چلنے کی مشق میں صرف کیا جائے تو بلا شبہ یہ ہمارے عمل کی زندگی میں فائدہ مند ثابت ہوگا اور اس ذریعہ سے ہم ایسی قوت وطاقت حاصل کرلیں گے کہ اُس سے اپنی غایت وغرض کے لیے خدمت لے سکیں اور اسی کو "وقت کا تحفظ" اور "وقت کا اقتصاد" کہتے ہیں۔

زمانہ اور وقت انسان کے لیے ایک جنسِ خام کی طرح ہے جیسا کہ خام لکڑی "بڑھئی" کے ہاتھ میں یا خام لوہا "لوہار" کے ہاتھ میں! ان میں سے ہر ایک کاریگر مختار ہے کہ اپنی جدوجہد کے ساتھ لکڑی اور لوہے سے "عمدہ اشیاء" تیار کرے یا اُن کو بیکار چھوڑ کر برباد کر دے۔

اور اس اصول پر کہ زندگی کی "قدر و قیمت کا پہچاننا" لوازمات انسانیت سے ہے ہم پر فرض ہے کہ اپنے اوقات کو ان امور میں صرف کریں جو ہمارے مقاصد سے مطابقت رکھتے ہوں۔

تحفظ وقت کے گُر

وقت سے فائدہ اٹھانے میں جو شئے "غرض و غایت کے تعیّن کے بعد مدد دے سکتی ہے" وہ حسب ذیل دو باتوں کا صحیح علم ہے۔

۱۔ ہم عمل کو کس طرح شروع کریں؟

۲۔ اور کس طرح اُس میں لگے رہیں کہ اُس کو پورا کر دیں؟

شاید اس سے زیادہ دشوار کوئی بات نہ ہو کہ انسان یہ معلوم کرلے کہ وہ اپنے عمل کو کس طرح شروع کرے اسی لیے اُس کے وقت کا ایک بڑا حصّہ اسی کے سوچنے میں گذر جاتا ہے، اکثر طلبہ کو یہ پیش آتا ہے کہ جب وہ اپنے اسباق کا دور کرنا چاہتے ہیں تو سوچتے رہتے ہیں کہ کس طرح شروع کریں، وہ سوچتے ہیں کہ سب سے پہلے ریاضی کے مسئلہ کو شروع کریں اور پھر جب وہ مشکل نظر آتا ہے تو اور کسی مضمون کو شروع کرتے ہیں اور اس طرح ایک کافی عرصہ لگا دیتے ہیں جس میں اس قدر اور اضافہ کر لیجئے کہ کسی شئے کی

Scanned with CamScanner

ابتداءً عادۃً اس لیے دشوار ہوتی ہے کہ ابھی مشق کی نوبت نہ آئی ہوتی، یا اس لیے یک لخت "لذیذ آرام" سے محنت طلب عمل کی جانب منتقل ہونا پڑتا ہے۔

بہرحال جو شخص ان ہر دو امور کو جس قدر جلد حل کر لیتا ہے اُسی قدر وہ اپنے قیمتی وقت سے زیادہ فائدہ اٹھا لیتا ہے۔

پہلی بات کا علاج

اس بات کا علاج "کہ کس طرح شروع کرے؟" یہ ہے کہ عمل سے پہلے سوچے کہ زیر بحث چیزوں میں کس چیز کی "شروع کرنے میں" زیادہ اہمیت ہے، اور اُس کی ترجیح کے اسباب کا مطالعہ کرتے پھر جس شے کو اُس کے بعد ہونا چاہیئے حسبِ مراتب اُن کے درمیان ترتیب قائم کرتا جائے اس کے بعد عمل کے لیے ایسا پختہ ارادہ کرے جس میں تردد کا ادنیٰ سا بھی شائبہ باقی نہ رہے، اور جب دشواریاں اُس کے مقابلہ میں آئیں تو نفس اتنا مضبوط رہے کہ اس "ارادہ" میں ادنیٰ سا بھی تغیر پیدا نہ ہو سکے۔

اور اگر اُس کو کبھی یہ خطرہ پیش آئے کہ "کام کا شروع کرنا" اس کے لیے بہت دشوار ہے اور اُس کا نفس دشواریوں کے مقابلہ میں ثابت نہ رہ سکے گا، تو اس کے لیے مفید نسخہ یہ ہے کہ وہ ایسی کتاب کا ایک باب مطالعہ کرے جو اُس کو عمل پر بہادر بناتا، اور سعی عمل کے لیے مردِ میدان بننے کی ترغیب دیتا ہو، یا ایسے اشعار پڑھے جو جدوجہد پر آمادہ کرتے، اور قلب میں سرور و نشاط پیدا کر کے عمل کے لیے شجاع بناتے ہوں، یا اپنے ذہن میں ایسا نقشہ کھینچے جو اُس کے سامنے سُستی اور چُستی کے نتائج و انجام کو پیش کرتا ہو، یا ایسے "بہادر" اشخاص اور نمایاں ہستیوں کے واقعات کو یاد کرے جنہوں نے سعی پیہم اور عمل مسلسل کے ذریعہ بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہوں، اور جن کی زندگیاں "کمالات کا مرکز" ثابت ہوئی ہوں۔

انسان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جب کسی کام کو شروع کرے تو پوری توجہ و انہماک سے اُس کو انجام دے، اور شور و ہنگاموں کے مقامات سے دور ایسی جگہ رہے جہاں ایسے مناظر نہ ہوں جو اُس کے کام سے بے پرواہ کر دیں، اور نہ اُن میں ایسی دلچسپیاں ہوں جو اُس کے

بقیہ صفحہ ۷۲

اموالِ تجارت سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں مروّجہ قیمت کا اعتبار

دکان میں تجارت کے لیے رکھے ہوئے سامان میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا کیا حکم ہے اموالِ تجارت کی قیمت فروخت عموماً قیمت خرید سے زیادہ ہوتی ہے اس میں کونسی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

بینوا توجروا!

سائل خادم الدین c/o عبدالمنان کپڑا مارکیٹ صدر بازار کرم ایجنسی۔

الجواب باسم الملک الوھاب!

اشیاء تجارت پر جب سال گزر جائے ان کی مالیت، مقررہ نصاب زکوٰۃ تک پہنچتی ہو تو ایسی صورت میں اشیاءِ تجارت کی قیمت لگا کر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ جہاں تک قیمت میں کمی اور زیادتی کا مسئلہ ہے تو قیمت میں اُتار وچڑھاؤ کے لیے چند اسباب ہوسکتے ہیں۔ جس میں سے ہر ایک کا حکم الگ ہے۔

(۱) کسی چیز کی قیمت کا یہ فرق علاقائی ہو یعنی ایک گاؤں میں قیمت کم ہو اور دوسرے گاؤں میں زیادہ ہو تو ایسی صورت میں اُس جگہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ جہاں پر کاروبار ہوتا ہو۔

قال ابن الھمامؒ (المتوفی ۶۸۱ھ) یقومھا ای المالک فی البلد الذی فیہ المال حتی لو کان بعث عبد التجارۃ الی بلد اخری لحاجۃ فحال الحول یعتبر قیمتہ فی ذلک البلد۔[1]

(ب) اگر قیمت کا یہ فرق وقتی ہو یعنی خریدنے کے وقت بازار میں جو قیمت تھی حالات کی تبدیلی کی وجہ سے ابھی وہ قیمت نہ رہی ایسی حالت میں بالاتفاق قیمت خرید کا اعتبار نہیں تاہم امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک اس وقت کا قیمت معتبر ہے جس وقت زکوٰۃ واجب ہو جب کہ صاحبینؒ کے نزدیک ادائیگی کے وقت کو اعتبار دیا جائے گا۔

"قال ابن نجیم ثم عند ابی حنیفہ تعتبر القیمۃ یوم الوجوب وعندهما الاداء"۔ ؎۲

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ اگر قیمت کا یہ فرق اموال تجارت میں کسی کمی یا اضافے کا نتیجہ ہو تو اس صورت میں بھی سال پورا ہونے پر موجودہ سال کی قیمت کا اعتبار ہوگا یہاں تک کہ اگر کاروبار شروع کرتے وقت مالک صاحب نصاب ہو لیکن سال مکمل ہونے سے قبل کاروبار میں نقصان کی وجہ سے اموال تجارت کی مالیت مقررہ نصاب تک نہیں پہنچتی ہو تو زکوٰۃ ساقط رہے گی۔ البتہ سال پورا ہونے کے بعد مال میں نقصان کا اثر زکوٰۃ واجبہ پر نہیں پڑے گا۔

کما قیل!

"ولو کانت الزیادۃ والنقصان فی العین قبل الحول ثم حال الحول وھی کذالك ففی الزیادۃ تجب الزکوٰۃ زائدۃ لان تلك الزیادۃ مستفادۃ فی خلال الحول فیضم الی الاصل وفی النقصان لا تجب الزکوٰۃ لان النصاب غیر کامل"۔ ؎۳

(د) چوتھی صورت یہ ہے کہ قیمت کا یہ فرق عوارض کی وجہ سے ہو مثلاً تھوک اور پرچون کا فرق ہو یا کسی شخص کی وجاہت، تعلق، رفاقت یا رشتہ کی وجہ سے قیمت میں تخفیف کی جاتی ہو ایسی حالت میں مارکیٹ کی مروجہ قیمت کو مدنظر رکھ کر مالیت کا حساب کیا جائے گا کیونکہ قیمت خرید و فروخت میں تفاوت کی وجہ سے یکسانیت مختلف ہے، اور اگر مارکیٹ کی مروجہ قیمت بھی مختلف ہو تو پھر تقاربت میں "غالب نقد البلد" کو اعتبار دینے کی طرح عام قیمت کو اعتبار دیا جائے گا۔

کما قال صاحب العدائیہ

"عن محمد انہ یقومہا بالنقد الغالب علی کل حال"[1]

اس صورت کے بارے میں حضرت تھانوی بھی یوں فرماتے ہیں۔

"قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تاجرانہ قیمت کا تو اعتبار نہیں کیونکہ وہ مبنی ہے تخفیف ورعایت ومصالح خاصہ پر بلکہ منفرق خریدار جس قیمت سے لیتے ہیں وہ معتبر ہے۔ اور اس میں اگر اختلاف ہو تو اکثر اور اشہر کا اعتبار ہے۔ اور وہ قریب قریب متعین ہوتی ہے یعنی وہ قیمت کہ اگر کوئی تخفیف کی درخواست نہ کرے تو اس قیمت پر فروخت کی جایا کرے۔"

---

1. فتح القدیر۔ "مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ" ج ۲ / ۱۶۷
2. بحرالرائق "مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ" ج ۲ / ۲۲۹
3. عالم ابن العلاء (المتوفی سنہ ۷۸۶ھ) "ادارۃ القرآن کراچی" ج ۲ / ۲۴۳
4. ابوبکر المرغینانی (المتوفی سنہ ۵۹۳ھ) "دارالاشاعت قندھار" ج ۲ / ۱۷۸
5. امداد الفتاوی مکتبہ دارالعلوم کراچی ج ۲ / ۴۲

بقیہ از صد ۲۱

عمل میں رکاوٹ کا باعث ہوں۔

دوسری بات کا علاج پس اگر اُس نے اس طرح کام شروع کر دیا تو اُس نے کامیابی کا ایک کافی حصہ طے کر لیا، اس کے بعد اس کا فرض ہے کہ اُس میں لگا رہے۔ اور عزم قوی اور مضبوط ارادہ کے ساتھ لگا رہے۔ اور انسان اُس عمل کے لیے "باہمت" رہتا ہے جو اُس کے نفس کے ساتھ مطابق اور اُس کے قلب کے رجحانات کے موافق ہو، یعنی اُس میں اُس کے کرنے کے لیے استعداد و رجحانِ طبع موجود ہو، اور اُس کو سود مند سمجھتا، اور اُس سے محظوظ ہوتا ہو کیونکہ اکثر "ناکامی" اور "ملال" کے اسباب "عمل" کے اس "غلط انتخاب" ہی کی بدولت پیش آتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

مولانا ذاکر حسن نعمانی

نائب مدیر ندا العصر

نیکی اور بدی کی کمیت و کیفیت

نیکی اور بدی کی حقیقت کیا ہے ۔ مثلاً ہمیں ایک روپے کی حقیقت معلوم ہے کہ اس میں سو پیسے ہیں ۔ ایک پائی بنیادی اکائی ہے ۔ جب کوئی کہے پانچ روپے تو فوراً ہم جان لیتے ہیں کہ پانچ روپے کی قدر اور اہمیت ایک روپے سے زیادہ ہے اسی طرح اگر کوئی کہے کہ مثلاً ایک نیکی کرنے سے اللہ تعالیٰ دس نیکیاں عطا کرتے ہیں ۔ تو اس کی قدر اس وقت معلوم ہوگی جب ایک نیکی کی حقیقت ہم جان لیں ۔ تو زیادہ نیکیوں کی قدر اور اہمیت خود بخود معلوم ہو جائے گی ۔ جہاں تک کسی ملک کی کرنسی کی (BASIC UNIT) بنیادی اکائی کا تعلق ہے ۔ تو اس کا معلوم کرنا بہت آسان ہے ۔ ہاں بنیادی اکائی تک پہنچنے کے بعد یہ سوال ہو سکتا ہے کہ ایک پائی کیا ہے ۔ تو کسی نیکی یا بدی کیلئے نوٹوں کی طرح بنیادی اکائی مقرر کرنا بہت مشکل ہے ۔ بلکہ ناممکن ہے ۔ ہر گورنمنٹ عوام کی سہولت کے لیے مختلف مقدار کے نوٹ چھاپتی ہے ۔ اس سے لوگوں کی تمام ضروریات پوری ہوتی ہیں ۔ جس کے پاس نوٹ زیادہ ہوں اس کی زندگی بہ نسبت کم تعداد میں نوٹ رکھنے والے کے زیادہ آسودہ اور پُر تعیش ہوگی ۔

بالکل اسی طرح اگر کسی کی نیکیاں زیادہ ہوں تو آخرت میں اس کے درجات زیادہ بلند ہوں گے ۔ اور اس کو زیادہ خوشی ہوگی ۔ بلکہ ایک نیکی کی کمی یا زیادتی کی وجہ سے جنت اور دوزخ کا فیصلہ ہو سکتا ہے ۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو کسی کی ایک نیکی پسند آ جائے تو اس کے بارے میں بھی جنت کا فیصلہ کر دیتے ہیں ۔ جیسا کہ فضائل اعمال میں مذکور ہے کہ ایک فاحشہ عورت نے پیاس سے مرتے کتے کو پانی پلایا تو اللہ نے اس کی مغفرت کر دی ۔ لیکن یہ اس

Scanned with CamScanner

کا فضل ہے اس کے بارے میں ہم معلوم نہیں کر سکتے کہ کب اور کس نیکی پر خوش ہو کر اپنے فضل کا معاملہ فرما دے۔ ہاں اس کا قانون سب کے سامنے موجود ہے۔ اس کے مطابق بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اس کا عدل ہے۔ کافر اور مشرک کے علاوہ کسی گناہگار کو بخش دے تو یہ اس کا فضل ہے۔

میرے خیال میں نیکی اور بدی کو ہم تین خانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ قلبی گناہ اور نیکی۔ وہ گناہ اور نیکی جس کا تعلق دل و دماغ کے ساتھ ہو۔ کیونکہ دل بھی گناہگار ہوتا ہے۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل)

ترجمہ: کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی۔

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ (البقرہ) ترجمہ: اور جو شخص اس (شہادت) کا اخفا کرے گا اس کا قلب (دل) گناہگار ہوگا یا مثلاً خلاف شرع عقائد، بے جا بغض و حسد وغیرہ جب دل کا گناہ ثابت ہوا تو قلبی نیکی بھی ثابت ہو گئی مثلاً صحیح عقائد۔

حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا یعنی تقویٰ دل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ ترجمہ: لیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس طرح اخلاص کا مقام قلب ہے۔ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔ ترجمہ۔ مگر ہاں اس کو نجات ہوگی، جو اللہ کے پاس (کفر و شرک) سے پاک دل لے کر آ دے گا۔ قلب سلیم کی طرح قلب منیب بھی ہے۔

۲۔ لسانی گناہ اور نیکی یعنی وہ گناہ اور نیکی جس کا تعلق صرف زبان کے ساتھ ہو۔ اس کو آپ قولی گناہ اور نیکی بھی کہہ سکتے ہیں۔

۳۔ اعضاء و جوارح کو نیکی یا بدی میں استعمال کرے۔ اس کو آپ عملی گناہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

تینوں قسم کے گناہ اور تینوں قسم کی نیکیاں ہیں۔

سب کی نیکیاں گننا چاہے تو ممکن ہے۔ اسی طرح گناہ۔ مثلاً راستے میں تکلیف دہ

Scanned with CamScanner

چیز ہٹا دی ایک نیکی ہے۔ کسی سے اچھی بات کہنا یہ بھی نیکی ہے کسی کے ساتھ خندہ روئی کے ساتھ ملنا بھی نیکی ہے۔ اب اگر بار بار یہ عمل دہرائے تو ان نیکیوں کی مقدار بڑھتی جائے گی۔ قولی اور فعلی نیکی ایک دوسرے سے جدا جدا بھی ادا کی جا سکتی ہیں۔ بعض اوقات دونوں نیکیاں جمع بھی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً نماز پڑھنا ایسی نیکی ہے۔ کہ اس میں دل، زبان اور عمل سب کا حصہ ہے۔

ان اقوال و افعال کا گننا آسان ہے۔ ہم جب کہتے ہیں کہ ایک نیکی کا ثواب دس گنا ملتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہے کہ گویا اس نے یہ عمل دس مرتبہ دہرایا ہے۔ فرض نماز آدمی انفرادی طور پر پڑھے تو اس کو ایک نماز کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن اگر یہی فرض نماز جماعت کے ساتھ اور بیت اللہ شریف یا مسجد نبوی میں ادا کرے تو اس کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے۔

مثلاً جماعت کی نماز کی فضیلت پچیس درجے زیادہ ہے۔ گویا اس نے یہ عمل پچیس دفعہ دہرایا۔ اس کو اس کے مطابق ثواب ملے گا۔

ایک بزرگ سے جماعت کی نماز فوت ہو گئی اس نے نماز کو پچیس دفعہ دہرایا تو آواز سنی کہ فرشتوں کی آمین کا کیا ہو گا۔ اس بزرگ کے اس فعل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ عمل کا تکرار مراد ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتے ہیں۔ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا

ترجمہ: جو شخص نیک کام کرے گا اس کو اس کے دس حصے ملیں گے۔

مَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۔ اور جو شخص برا کام کرے گا سو اس کو اس کے برابر ہی سزا ملے گی۔

لفظ امثالہا سے پتہ چلتا ہے کہ جو نیکی (قولی یا فعلی) کی ہے وہ اور اس جیسی نو نیکیاں اور مراد ہیں۔ تو تکرار ہوا۔

یہ تو گناہ اور نیکی کی مقدار سے متعلق بحث تھی اب گناہ اور نیکی کی کیفیت کی طرف آتے ہیں۔ نیکی اور گناہ کی کیفیت کے لیے کوئی معیار مقرر نہیں۔ بلکہ مشکل اور ناممکن ہے۔ بعض مادی اشیاء کی کیفیات ناپنا بھی مشکل ہے۔ مثلاً یہ چائے کتنی میٹھی ہے۔ یا میٹھا کیا ہے۔ اس کی جچی تلی تعریف آپ نہیں کر سکتے۔ اور نہ کوئی آلہ یہ بتا سکتا ہے

Scanned with CamScanner

کہ چائے کی کیا کیفیت ہے؟ اس کا جواب ہر آدمی کا ذوق اور وجدان دے گا۔ زبان سے اس کے بارے میں آپ کچھ کہہ بھی دیں تو کسی کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ گڑ بیچنے والا زبان سے گڑ کی لاکھ تعریف کرے لیکن خریدار لازماً اس کو زبان سے چکھے گا۔ جس طرح مختلف ہوٹلوں اور گھروں میں پکنے والی چائے کی کیفیت مختلف ہوتی ہے دو جگہ تیار ہونے والی چائے کی کیفیت ضرور ایک دوسرے سے مختلف ہوگی۔ اس طرح نیکیوں اور برائیوں کا آپس میں کیف کے لحاظ سے بہت بڑا تفاوت ہے۔ ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپؐ کی بات سے انکار کیا اور دوسرے شخص نے آج کے کسی عالم کی بات کو نہ مانا۔ دونوں کے انکار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک ابوجہل کا کفر ہے اور ایک اس دور کے کافر کا ہے۔ دونوں کے کفر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ابوبکر صدیقؓ نے بھی حضورؐ کی تصدیق کی تھی اور آج کے ایک گنوار اور دیہاتی نے بھی تصدیق کی ہے۔ لیکن ابوبکرؓ صحابی ہیں اور یہ عام مسلمان۔

نماز نبیؐ بھی پڑھتے ہیں اور صحابی اور عام مسلمان بھی، کوئی زیادہ نمازیں پڑھتا ہے کوئی کم۔ بلکہ سو سالہ اُمتی نمازی کی نمازیں تعداد میں حضورؐ سے زیادہ ہو سکتی ہیں۔ لیکن پوری امت کی ساری نمازیں حضورؐ کی ایک نماز کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔

ایک شخص نبیؐ کے پیچھے نماز پڑھتا ہے ایک کسی عام امام کے پیچھے دونوں میں بڑا تفاوت ہے۔ ایک آدمی کی نماز میں اخلاص زیادہ ہے دوسرے کی اس نماز میں اتنا اخلاص نہیں۔ مثلاً حدیث میں ہے کہ جب لوگ نماز پڑھ کر واپس لوٹتے ہیں تو کسی کو دس گنا۔ کسی کو نو گنا، کسی کو آٹھ درجے علی حسب الاخلاص اجر ملتا ہے۔ ایک آدمی رمضان میں زیادہ نمازیں پڑھتا ہے، ایک غیر رمضان میں، رمضان والے کو اجر زیادہ ملتا ہے کھڑے ہو کر نفل نماز پڑھنے والے کو بیٹھ کر پڑھنے والے سے دُوگنا اجر ملتا ہے بیت اللہ شریف مسجد نبوی اور بیت المقدس میں جماعت سے نماز پڑھنا والا عام مساجد میں پڑھنے والوں سے لاکھوں درجے زیادہ ثواب کماتا ہے۔

تمام نیکیوں اور برائیوں کا یہی حال ہے۔ ان امتیازات اور تفاوتوں کے ہوتے

Scanned with CamScanner

ہوئے آپ کسی ایک نیکی یا بدی کے لیے کوئی معیار مقرر نہیں کر سکتے۔

اس مضمون کو یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ نیکیوں اور گناہوں کو آپ گن تو سکتے ہیں لیکن تول نہیں سکتے۔ ان کی کیفیات معلوم کرنے کا آلہ ایجاد نہیں ہو سکتا۔ اگر بالفرض کوئی آلہ ایجاد بھی ہو جائے تو کسی ایک نیکی یا برائی کے لیے کوئی خاص معیار مقرر نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نیکی اور بدی کرنے والوں میں بہت بڑا تفاوت ہے۔

ہر آدمی کے مناسب نیکی اور گناہ ہیں۔ عالم کا گناہ غیر عالم کے گناہ سے بڑھ کر ہے۔ اسی طرح عالم کی عبادت غیر عالم کی عبادت سے بہت بڑھیا ہے، بلکہ عالم کی نیند عابد کی عبادت کے برابر ہے۔

الحاصل کسی کیتلی کی چائے کی مقدار تو معلوم کی جا سکتی ہے کہ اتنی پیالی چائے اس میں موجود ہے۔ لیکن کیفیت معلوم نہیں کر سکتے۔ کس کیفیت کی ہے۔ عمدہ ہے یا نہیں صرف قوت ذائقہ اور وجدان سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اس لیے ایک نیکی اور بدی کا قیاس نوٹوں پر صحیح نہیں۔ کیونکہ نیکی اور بدی میں کم اور کیف دونوں پائے جاتے ہیں۔ جب کہ نوٹوں میں صرف کم (مقدار) موجود ہے اس لیے نوٹوں کے لیے ایک بنیادی اکائی مقرر ہے۔ بڑے نوٹوں کے لیے ایک روپے کا نوٹ اور ایک کے نوٹ کے لیے ایک پائی لیکن ایک پیسہ اور پائی کیا ہے یہ صرف سہولت کے لیے ایک معیار مقرر کیا گیا ہے۔

نیکیوں اور گناہوں کی اصل حقیقت کم اور کیف کے اعتبار سے آخرت میں آشکارہ ہوگی۔ کیونکہ آخرت جزا و سزا کا اصل مقام ہے۔

بقیہ از صفحہ

پھر فرمایا کہ اہل سنت حضرت امیرؓ کے ساتھ مقابلہ کرنے والوں کو لعن و تشنیع کرنے سے اپنی زبانوں کو بچاتے ہیں۔ اور یہ اس لیے کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ خدا کا خوف کرو۔ خدا سے ڈرو۔ میرے صحابہؓ پر اعتراض نہ کرو۔ ملامت کے تیروں سے ان کو نشانہ نہ بناؤ۔

آج کل افراط و تفریط کے فتنے بہت برپا ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کے اور ہمارے ایمان کی حفاظت فرما دیں۔ آمین!

استقامت کی اہمیت واثرات

"استقامت علی الدین" راہ یابی کا وہ اہم مرتبہ ہے۔ جو وصول الی اللہ کے میدان میں کمال سمجھا جاتا ہے۔ انسان کے دل میں اگر انابت الی اللہ کے آثار پیدا ہوں۔ ضد اور عناد چھوڑ کر حق کی تلاش میں نکلے۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو ہدایت کی توفیق بخشتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اَللّٰہُ یَجْتَبِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَیَھْدِیْٓ اِلَیْہِ مَنْ یُّنِیْبُ ۔ [1]

اللہ تعالیٰ چن لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہے اور راہ دیتا ہے اپنی طرف اس کو جو رجوع لائے۔

ہدایت پانے کے بعد جب محنت ہو۔ شریعت کے اصول کی پاسداری ہو۔ تو انسان "استقامت علی الدین" کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے۔ اگر اس مرتبہ میں رسوخ پیدا ہو۔ تو اس سے آگے "ربط القلب" کا مقام شروع ہوتا ہے۔ [2]

استقامت وہ اہم چیز ہے۔ جس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مل رہا ہے کہ آپ وحی الٰہی پر استقامت رکھیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

وَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ ۔ [3]

جیسا آپ کو حکم ملا ہے۔ اس پر استقامت رکھیں۔ اور کفار کی خواہشوں کے پیچھے مت چل

مسلمانوں میں جو اس مرتبہ پر فائز ہوتا ہے۔ اس پر دنیوی اور اخروی سعادتوں کا دروازہ کھل

---

[1] الشوریٰ / ۱۳ [2] ہدایت کے یہ چار مراتب قرآن کی مختلف آیتوں میں بیان ہوئے ہیں تفصیل جواہر القرآن ج ۱ ص ۱۲ ملاحظہ ہو۔ [3] الشوریٰ / ۱۵۔

Scanned with CamScanner

جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ [۱]	بے شک جنہوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر قائم رہے۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں۔ کہ تم مت ڈرو۔ اور نہ غم کھاؤ۔ اور اس بہشت کی خوشخبری سنو۔ جس کا تم سے وعدہ تھا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کے دربار میں استقامت کے لیے ہر وقت دعا کرنی چاہیئے۔ قتادہؒ سے روایت ہے کہ حسنؒ جب اس آیت کی تلاوت کرتے، تو ساتھ یہ دعا مانگتے۔ اے اللہ تو ہی ہمارا رب ہے ہمیں استقامت نصیب فرما [۲]

استقامت کی اہمیت

استقامت کی اس حقیقت کو مدنظر رکھ کر یہ کہنا بعید از حقیقت نہیں، کہ دین کے کسی شعبہ میں اس کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں، عوام تو درکنار بلکہ خواص کو بھی اس کی ضرورت قدم بقدم پڑتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے۔ ایک دفعہ سفیان بن عبداللہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کے بارے میں ایسا جامع فرمودہ عنایت فرمایئے کہ آپ کے سوا کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قل امنت باللہ ثم استقم [۳]	تم کہدو۔ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا ہوں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

استقامت ہی کے ذریعہ مسلمان اپنے عقائد، افکار، نظریات، اعمال، معاملات اور اخلاق کا تحفظ کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک استقامت کرامت سے

---

[۱] حم السجدہ / ۳۰ [۲] ابن کثیر ج ۴ ص ۹۱ [۳] ریاض الصالحین ص ۶۶

Scanned with CamScanner

بہتر ہے۔ بلکہ اگر حقیقت کی نظر سے دیکھا جائے تو استقامت علی الدین بذات خود ایک اونچی کرامت ہے۔ ۱

استقامت کی حقیقت

استقامت کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ عقائد سے لے کر اخلاق ومعاملات کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ اور ہر مقام پر تمام اعمال استقامت کے محتاج نظر آتے ہیں۔ اسلاف سے اس کے بارے میں تین قسم کی تعبیرات مروی ہیں۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ اور مجاہد سے مروی ہے کہ استقامت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی توحید کے بارے میں اپنے عقیدہ پر مضبوطی سے کاربند رہے۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضؓ، حسن رضؓ اور قتادہ فرماتے ہیں۔ استقامت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اس کے فرائض کی ادائیگی میں مضبوطی سے ثابت قدم رہے۔

۳۔ ابوالعالیہؒ اور سدی سے روایت ہے کہ موت تک اپنے اعمال میں اخلاص کی رعایت کرنے کا دوسرا نام استقامت ہے۔ ۱

ان تینوں اقوال کا مرجع درحقیقت ایک ہے۔ کیونکہ انسان اسلامی عقیدہ رکھنے کے باوجود بسا اوقات ماحول اور حالات سے متاثر ہو کر اعتقادی کمزوری کا شکار ہو جاتا ہے۔ اچھے دیندار لوگ اعمال اور معاملات میں ایسی بدتری دکھلاتے ہیں۔ جو کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتی۔ اس لیے زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی کمزوری پر نظر رکھنا اور اسلامی اقدار کی پاسداری کرنا استقامت علی الدین ہے۔

استقامت کی قسمیں

ہمارے معاشرتی حالات کے مطالعہ اور مذکورہ اقوال کے تجزیہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ استقامت کی بڑی تین قسمیں ہیں۔ (۱) اعتقادی (۲) اخلاقی (۳) معاشرتی استقامت یعنی معاملات میں اس کی رعایت۔

---

۱ زاد المسیر فی علم التفسیر ج ۷ صد ۲۵۲۔

اعتقادی استقامت اعتقادی استقامت کی حقیقت یہ ہے کہ جن عقائد پر ایمان رکھنا مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ مسلمان ان عقائد پر مضبوطی سے قائم رہے۔ اس میں کسی بدظنی شک یا وہم کا شکار نہ ہو۔ ایسا ہی عقائد کے بارے میں شیطان جو شبہات سامنے لائے۔ تو ان سے متاثر نہ ہو۔ کیونکہ شیطان کی ساری محنت عقائد کے اردگرد گھومتی ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کبھی شیطان تمہارے پاس آکر یہ کہے گا۔ کہ یہ زمین کس نے بنائی ہے؟ یہ آسمان کس نے بنایا ہے؟۔ ان سوالات سے ترقی کر کے تم سے یہ سوال کرے گا۔ اچھا یہ بتاؤ۔ تمہارا رب کس نے پیدا کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس مقام پر پہنچ کر مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ اور ایسے سوالات سے باز رہے۔ [1]

اپنے عقائد کے بارے میں ایسی کیفیت پیدا کرنی چاہیئے۔ کہ ان عقائد کو چھوڑنا موت کے مترادف ہو۔

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین خصلتیں جس میں پائی جائیں۔ اس نے ایمان کا مزہ چکھ لیا۔ ان میں سے ایک خصلت یہ ہے۔

ومن یکرہ ان یعود فی	ایمان لانے کے بعد دوبارہ کفر میں
الکفر بعد اذ انقذہ اللہ	جانا ایسا بُرا محسوس ہوتا ہو۔ جیسا
کما یکرہ ان یلقی فی النار۔ [2]	کہ آگ میں اس کو ڈالا جائے۔

اعتقادیات متاثر ہونے کے اسباب اعتقادی استقامت کے لیے ضروری ہے کہ انسان ان اسباب سے محفوظ رہے۔ جن سے عقائد متاثر ہو سکتے ہوں۔ اس میں زیادہ دخل خلاف شرع کتب بینی اور رسائل کے مطالعہ کا ہے۔ اپنے مذہب کے ابجد سے واقف نہ ہونے کے باوجود بعض لوگ غیر مسلم اور گمراہ فرقوں کی کتابوں کا مطالعہ کمال سمجھتے ہیں۔ ایسے خالی الذہن شخص پر عموماً ایسی

---

[1] مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۷ [2] بخاری ج ۸ ص ۹

مطالعہ کے علاوہ بسا اوقات غیر اسلامی نظریات رکھنے والے مفکرین کی تقریر اور لیکچر سننے سے بھی عقائد متاثر ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ مستشرقین کے نام نہاد محققین اور مفکرین کے گمراہ کن اقوال اور تقاریر سے اچھے اچھے لوگ بے دینی کی دلدل میں ایسے پھنسے کہ ان کو نکلنے کی کوئی راہ نظر نہیں آئی۔

اعتقادی استقامت کے چند نظائر

صحابہ کرامؓ کی تاریخ میں سینکڑوں واقعات ایسے پائے جاتے ہیں کہ لالچ اور دھمکی غرضیکہ کسی ایک حربہ سے کفار ان کی ایمانی قوت کو متزلزل نہ کر سکے۔ حضرت عبداللہ بن خذافہ سہمی کچھ مسلمانوں کے ساتھ رومیوں کے ہاتھ قید ہو گئے۔ عیسائی بادشاہ کو معلوم ہوا تھا۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کا ایمان پہاڑ سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس نے اس موقعہ پر ان کو آزمانا چاہا۔ حضرت عبداللہ بن خذافہ سے کہا۔ اگر تم اپنا دین چھوڑ کر عیسائی بن جاؤ۔ تو میں تم سے اپنی بیٹی کی شادی کرواکر سلطنت کا ایک حصہ بھی دے دوں گا۔ حضرت عبداللہ بن خذافہؓ نے تعجب سے جواب دیا۔ تم مجھے یہ لالچ دیتے ہو۔ اگر ہفت اقلیم کی سلطنت بھی مجھے دیدی جائے۔ تو پھر بھی یہ ممکن نہیں۔ بادشاہ نے مزید آزما کر جیل میں ڈال دیا۔ اور کھانا پینا بند کر دیا۔ جب بالکل مجبوری کی حالت کو پہنچ گئے۔ تو ان کے سامنے خنزیر کا گوشت اور شراب پیش کی گئی۔ شرعاً اگرچہ مجبوری کی حالت میں ان چیزوں کا کھانا جائز تھا۔ لیکن آپ محض ایمانی غیرت کی بنا پر کھانے کو تیار نہ ہوئے۔ تاکہ یہ لوگ خوش نہ ہوں۔ بادشاہ نے بھوک کی اس حالت میں بلا کر دوبارہ پرانا مطالبہ دہرایا۔ لیکن عبداللہ بن خذافہ نے پرانا جواب دے کر استقامت کا نمونہ پیش کیا۔ بادشاہ نے ابھی یہ تدبیر کی۔ کہ ایک بڑی دیگ میں تیل گرم کرنا شروع کیا۔ جو خوب گرم ہو گیا۔ تو عبداللہ بن خذافہ کو وہاں کھڑا کر دیا۔ اور اس کے سامنے ایک قیدی کو اس کے اندر ڈال دیا۔ اور عبداللہ بن خذافہ سے کہا۔ دیکھو تم سے بھی یہ معاملہ کیا جائے گا۔ اب میری بات پر عمل کرو۔ لیکن آپ نے انکار کیا۔ چنانچہ ابھی آپ کو ڈالنے کا حکم دیا۔ جب آپ کو ڈالنے کے لیے لے جا رہے تھے۔ اس وقت عبداللہ بن خذافہؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بادشاہ سمجھا۔ شاید خوفزدہ ہو کر میرا مطالبہ تسلیم کر لیا۔ اس

لیے واپس بلوایا۔ اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ اب تم میری بات تسلیم کر لو گے۔ انہوں نے جواب دیا
کہ تجھے مغالطہ ہوا ہے۔ یہ رونا جان جانے کے خوف سے نہیں بلکہ مجھے اس پر حسرت و افسوس
ہے۔ کہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں محض ایک حقیر جان کا نذرانہ پیش کر رہا ہوں۔ کاش اگر میرے بالوں
کی جگہ ایک ایک جان ہوتی۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قربان کر دیتا۔ اس تقریر کو سن
کر بادشاہ نے اپنے مطالبہ میں تنزل اختیار کر کے کہا۔ اگر تم میری پیشانی کو ایک بوسہ دے دو
تو تجھے چھوڑ دیا جائے گا۔ انہوں نے پوچھا۔ صرف مجھے چھوڑ دو گے یا میرے ساتھیوں کو بھی؟
اس نے کہا سب کو چھوڑ دوں گا۔ آپ اپنے ساتھیوں کی خاطر یہ مطالبہ منظور کر کے اس کی
پیشانی کو بوسہ دے کر سب ساتھیوں کو چھڑا کر لے آئے۔ یہ خلافت فاروقی کا زمانہ تھا۔ آپ
نے واقعہ سے مطلع ہو کر تمام مسلمانوں سے کہا۔ کہ عبداللہ بن حذافہ رض کے استقبال کو چلو۔ ہر مسلمان
پر ان کا حق ہے۔ کہ اس کی پیشانی کو بوسہ دے۔ میں بھی استقبال کر کے بوسہ دوں گا۔ چنانچہ ہر ایک
نے اعزاز و اکرام کے لیے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا [1]

یہ وہ اعتقادی استقامت ہے۔ جس میں دنیا کی کوئی طاقت بھی تزلزل پیدا نہیں کر سکتی
ہر امتحان اور آزمائش میں چٹان کی طرح ثابت قدم رہے۔

اخلاقی استقامت

اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے اسلامی طرز حیات اور بلند کردار کا تحفظ کرے۔ اسلام نے زندگی گزارنے کے لیے جن اعلیٰ و ارفع اصول کا تعین کیا ہے۔ ان پر مکمل کاربند رہنے کا نام اخلاقی استقامت ہے۔ عام معاشرہ کی حالت کے تجزیہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ انسان کے اخلاق دو چیزوں سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ کبھی عداوت سے مجبور ہو کر انسان انتقامی جذبہ پر آمادہ ہوتا ہے اور کبھی مال و دولت کے نشہ میں مست ہو کر اخلاقی اقدار مجروح کرتا ہے۔

اسلام کا یہی مطالبہ ہے۔ کہ زندگی کے نشیب و فراز ادوار اور اخلاق میں یکسانیت رہے۔ کبھی کسی قوم سے دشمنی اس سے ظلم و زیادتی کا سبب نہ بنے۔ ارشاد ربانی ہے۔

---

[1] فضل الباری ج ۱ ص ۲۳۹ - ۲۴۰ -

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا[1]

اے ایمان والو! اللہ کی رضا کیلئے انصاف کی گواہی دینے کیلئے مضبوطی سے کھڑے رہو۔ اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو۔

یہی وجہ ہے۔ غیر المسلم سے محض اس کے اعتقادی اختلاف کی بنا پر اس پر ظلم جائز نہیں۔ بلکہ مسلمان جیسا اپنے مسلمان بھائی کی بھلائی کا مکلف ہے ایسا ہی دنیاوی اعتبار سے معاشرہ میں اس کے ساتھ رہنے والے غیر مسلموں سے اچھے سلوک اور حسن رواداری رکھنے کا مکلف ہے عداوت کی طرح مال و دولت سے بھی اخلاق کا پست ہونا مسلمان کا شیوہ نہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔

إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا[2]

اگر کوئی مالدار ہے۔ یا محتاج ہے تو اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے سو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں۔

یعنی اخلاقی اقدار اور انصاف کے معاملہ میں اپنی کسی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ مالدار کی رعایت کر کے یا محتاج پر ترس کھا کر سچ کو چھوڑ بیٹھو۔ جو حق ہے سو کہو اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ اور ان کے مصالح سے واقف ہے اور اس کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں[3] آیت اگرچہ اس کے بارے میں ہے کہ عدل و انصاف کے معاملہ میں کسی دوسرے شخص کی مالداری یا غریب کی غربت سے انسان کے اخلاق متاثر نہیں ہونے چاہیئے۔ اس طرح اپنی مال و دولت یا غربت سے اخلاق کا متاثر ہونا بھی ایک قبیح امر ہے۔ مسلمان ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے اوامر کا پابند رہے گا۔ اخلاق کی دنیا میں استقامت اور رسوخ اس کو کہا جاتا ہے۔ کہ زمانہ اور حالات کی تبدیلی کے باوجود اس کے عزم اور اخلاق پر کوئی

---

[1] المائدہ ۸، [2] النساء ۱۳۵، [3] تفسیر عثمانی صد ۱۲۸۔

اثر نہ پڑسے۔

معاشرتی استقامت

کسی شخص کے اچھے یا بُرے اخلاق کو ایک مسلم معاشرہ میں اچھی طرح جانچا جاسکتا ہے۔ خلوت اور یکسوئی میں اخلاق اور معاملات کا اس وقت تک پتہ نہیں چلتا۔ جب تک کسی سے واسطہ نہ پڑے۔ معاشرہ میں انسان کا اچھے اور بُرے دونوں قسم کے آدمیوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ کہیں سے خریداری ہورہی ہے۔ کہیں فروخت کے معاملہ میں شریک ہوتا ہے۔ اپنے حقوق مانگنے اور دوسروں کے حقوق دینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایسی حالت میں استقامت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان عصبیت، قرابت یا عداوت اور یا حب جاہ و مال کا شکار نہ ہو۔ جب دوسروں کی حالت پر پرکھتا ہے تو اپنی حالت بھی نظر سے اوجھل نہ رہے۔ بڑے بڑے دیندار قسم کے لوگ خلوت میں بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ لیکن معاشرتی زندگی میں جب قدم رکھا تو بہت سی کمزوریاں ان میں آپ کو نظر آئیں گی۔ جن کو ابھی تک خود قباحت کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ سود کی قباحت قطعی اور یقینی ہونے کے باوجود محض حُبِ مال کی وجہ سے لوگ اس میں پھنسے ہوئے ہیں۔ دھوکہ، فریب، دجل وتلبیس اور جھوٹ ناجائز ہونے کے باوجود بعض لوگ محض حُبِ جاہ کی لالچ میں گرفتار ہوکر نظریہ ضرورت کے تحت ان جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں، گویا اچھے خاصے گھرانے ان جرائم میں مبتلا ہوکر اپنی ایمانی قوت کھو دیتے ہیں۔ ان مختلف اوقات اور حالات میں اپنے اسلامی تشخص کو بحال رکھنے کا دوسرا نام استقامت ہے۔ ان حالات میں استقامت کھو دینے کا بڑا سبب ماحول ہے۔ معاشرہ اور ماحول کا انسان پر بڑا اثر ہوتا ہے اچھا ماحول بسر ہونے پر انسان کے اعمال میں ترقی ہوتی ہے۔ لیکن بُرے ماحول میں رہ کر ناگفتہ بہ حالات سے دوچار ہوکر انسان سے ایمانی قوت سلب ہوجاتی ہے۔ ایسے وقت میں عزم حوصلہ اور قناعت کی ضرورت ہوتی ہے۔

معاشرتی استقامت کے چند نظائر

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اور اسلاف کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری ہے کہ وہ زمانہ بدلنے کے ساتھ نہ بدلے۔ بلکہ بلند ہمتی سے کام لے کر وقت اور زمانہ کو بدلا۔

Scanned with CamScanner

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے۔ کہ آپ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دیا کرو۔ آپ کے ایک صاحبزادہ نے عرض کیا۔ کہ ہم اجازت نہیں دے سکتے۔ کیونکہ وہ اس کو آئندہ چل کر بہانہ بنالیں گی۔ ممکن ہے۔ کسی آوارگی اور فساد کا ارتکاب نہ کریں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس بیٹے کا نام بلال بن عبداللہ تھا۔ حضرت ابن عمر رضی بیٹے کا جواب سن کر غصہ ہوئے اور فرمایا۔

اقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ائذنوا لھن وتقول لا تاذن لھن له

میں کہتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ انکو اجازت دو۔ اور تم کہتے ہو۔ ہم اجازت نہیں دے سکتے

بعض روایات میں ہے۔ کہ آپ نے اس کے بعد اس بیٹے سے بات چیت ختم کردی۔

عورتوں کے لیے مسجد میں جانے کے جواز یا عدم جواز کی تحقیق سے قطع نظر اس روایت میں یہ حقیقت نمایاں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی کی استقامت کی یہ حالت تھی۔ کہ ماحول اور معاشرہ کے سامنے موم نہ ہوئے۔ ان اصول کے پابند رہتے۔ جو آپ نے زبان نبوت سے سنے تھے

احتیاطی تدابیر ایسی حالت "جہاں اسلامی زندگی مجروح ہوتی ہو۔" سے بچنے کی تدبیر یہ ہے۔ خلاف شرع مجالس میں شرکت سے گریز کرے۔ اور اگر کہیں اتفاقاً پھنس جائے۔ تو فوراً ایسے ماحول سے اٹھنا چاہیئے۔ ایسا ہی جو حصہ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا ہو۔ اس پر قناعت اور صبر سے کام لے۔ آخرت پر نظر رکھے۔ اور دنیوی زندگی کے فانی ہونے کی حقیقت دل میں جمانے کی کوشش کرے۔ تاکہ ابدی زندگی فانی زندگی پر قربان نہ ہو۔ ورنہ خسارہ ہی خسارہ رہے گا۔

فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ۔

پس سود مند نہ ہوئی اُن کو یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے۔

Scanned with CamScanner

ذاکر حسن نعمانی

اخبار الجامعہ

جامعہ عثمانیہ کے تیسرے تعلیمی سال کا ۱۱/ مارچ ۱۹۹۵ء سے ۱۴/ مارچ تک داخلہ رہا۔ روزانہ صبح ۱۰ بجے داخلہ کا تحریری امتحان لیا جاتا۔ کامیاب طلباء کے انتخاب میں ذاتی شوق، والدین سرپرست کی توجہ اور قابلیت کو مدّنظر رکھتے ہوئے سینکڑوں طلباء میں درجہ کتب کے لیے ستر (۷۰) طلباء کا انتخاب عمل میں لایا گیا۔ سب طلباء جامعہ کے دارالاقامہ میں رہیں گے۔ قیام کے علاوہ ان کے خورد و نوش اور فراہمی کتب بذمہ جامعہ ہوگا۔

علاوہ ازیں شعبہ حفظ درصوت القرآن آدم زئی" میں ساٹھ ۶۰ طلباء کو داخلہ دیا گیا۔ مجموعی طور پر ۷۰+۶۰ = ۱۳۰ طلباء امسال جامعہ میں زیر تعلیم رہیں گے۔ داخلہ کے جملہ مراحل کی تکمیل کے بعد ۱۵ مارچ سے ۱۸ مارچ تک تربیتی مذاکرے رہے۔ جس میں طلباء کو جامعہ کے قواعد و ضوابط تعلیمی مراحل، نظم و نسق اور ان امور سے روشناس کرایا گیا۔ جنکی رعایت دوران تعلیم ضروری ہے۔ ۱۹/ مارچ بروز اتوار باقاعدہ افتتاح ہو کر اسباق شروع ہوئے

امسال جامعہ کے لیے حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی تقرری عمل میں لائی گئی ہے۔ موصوف جامعہ فاروقیہ کے فاضل ہیں، فراغت کے بعد مدت دراز تک مادر علمی جامعہ فاروقیہ میں مدرس رہے۔ بعد ازاں حضرت مولانا فضل مولی صاحب کے ہاں مدرسہ عربیہ دلبوڑی میں مدرس تھے۔

علاوہ ازیں مولانا حیات حسین صاحب اور مولانا فضل خالق صاحب کی تقرری بھی ہوئی ہے۔ دونوں حضرات دارالعلوم حقانیہ کے درجہ تخصص فی الفقہ دارالافتاء میں شریک رہے۔ یوں مجموعی طور پر جامعہ عثمانیہ کے اساتذہ کی فہرست گیارہ اساتذہ کرام تک پہنچ گئی